محمد اقبالؔ

(1877ء – 1938ء)

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؔ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے سیالکوٹ ہی میں امتیاز کے ساتھ انٹرنس کا امتحان پاس کیا پھر لاہور میں اعلیٰ تعلیم پائی۔ کچھ دن بعد وہ یورپ گئے اور انگلستان سے قانون کی اور جرمنی سے فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

ابتدائی تعلیم کے زمانے ہی سے اقبال شعر کہنے لگے تھے۔ اقبالؔ نے شاعری کی ابتدا غزل سے کی اور داغؔ سے اصلاح لی۔ آگے چل کر انھوں نے اپنی شاعری کو اپنے پیغام اور فکر کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ وہ حرکت وعمل اور خودی کی تعلیم دیتے ہیں اور ان خوبیوں کو انسانیت کی بقا کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے کلام میں موسیقیت اور زورِ بیان ہے۔ انھوں نے لفظوں کے انتخاب میں بڑی ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اسی لیے ان کے اشعار میں خوش آہنگی بہت ہے۔ اردو میں ان کے مجموعے 'بانگِ درا'، 'بالِ جبریل'، 'ضربِ کلیم' اور 'ارمغانِ حجاز' ہیں۔ فارسی میں ان کی شاعری کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔

اقبالؔ کو بیسویں صدی کا سب سے بڑا ہندوستانی شاعر کہا جاسکتا ہے۔ انھوں نے ہندوستانیوں اور خاص کر ہندوستانی مسلمانوں کو ذہنی اور تہذیبی غلامی سے آزاد کرایا اور یورپ کے علوم سے مرعوب ہونے کے بجائے یورپ سے استفادہ کرنا سکھایا اور یہ بتایا کہ یورپ کی تہذیب مادہ پرستی اور بے انصافی پر مبنی ہے اور اسے بہت جلد زوال آجائے گا۔

اقبالؔ کی شاعری میں فلسفہ، تغزل، ڈراما، پیغامِ عمل اور مذہبِ اسلام سب اس طرح گھل مل کر ایک ہوگئے ہیں کہ وہ اپنی طرح کی بے نظیر چیز بن گئی ہے۔

© NCERT not to be republished

ایک آرزو

دنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یارب
کیا لُطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

آزادفکر سے ہوں، عُزلت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نِکل گیا ہو

لذّت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گُل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجکو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا، سبزہ کا ہو بچھونا!
شرمائے جس سے جلوت، خَلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بُلبل
ننّھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندّی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جُھک جُھک کے گُل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دُلہن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
اُمّید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے اُن کو کُٹیا مری دکھادے
جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو

© NCERT not to be republished

پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی مؤذّن — میں اس کا ہم نوا ہوں، وہ میری ہم نوا ہو
کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں! — روزن ہی جھونپڑی کا مجکو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے — رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دُعا ہو!
اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے — تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر درد مند دل کو رونا مرا رُلادے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید اُنھیں جگادے

محمد اقبالؔ

مشق

لفظ و معنی

شورش : شوروغُل، اُتھل پُتھل
سکوت : خاموشی
تقریر : بیان، بات
عُزلت : تنہائی، گوشہ
سرود : گانا، نغمہ
جہاں نما : جس میں یا جس سے تمام دنیا نظر آئے
جلوت : محفل، لوگوں کی موجودگی
خلوت : تنہائی
دل فریب : دل کو لبھانے والا، من موہن
قبا : پوشاک

© NCERT not to be republished

ہم نوا	:	ہم آواز
روزن	:	سوراخ، روشن دان
سحر نما	:	صبح کا دیدار کرانے والا
نالہ	:	فریاد، رونے کی آواز
درا	:	قافلے کے روانہ ہونے سے پہلے بجنے والا گھنٹہ، جرس

غور کرنے کی بات

- کسی شعر یا شعر کے کسی مصرعے میں دو متضاد الفاظ کے استعمال کو صنعتِ تضاد کہتے ہیں۔ اس نظم میں کئی اشعار ایسے ہیں جن میں دو متضاد الفاظ آئے ہیں۔ جیسے

شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا، سبزہ کا ہو بچھونا
شرمائے جس سے جلوت، خلوت میں وہ ادا ہو

- 'جہاں نما' ایک مرکّب ہے جو 'جہاں' بمعنی 'دنیا' اور 'نما' بمعنی دکھانے والا، سے مل کر بنا ہے۔ جب دو مختلف الفاظ ایک ساتھ مل کر ایک ترکیب بناتے ہیں تو اسے مرکّب کہتے ہیں۔
- شعر میں کسی تاریخی واقعے، مشہور شخصیت یا شے کا ذکر کیا جائے تو اسے صنعتِ تلمیح کہتے ہیں۔ 'ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو' اس مصرعے میں صنعتِ تلمیح کا استعمال کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ قدیم ایرانی بادشاہ جمشید کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں وہ پوری دنیا کو دیکھ لیتا تھا۔ یہاں کلی کو استعارتاً ساغر کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور ساغر کے لیے جہاں نما کی تلمیح سے مدد لی گئی ہے۔

© NCERT not to be republished

سوالوں کے جواب لکھیے

1. شاعر نے تنہائی کی کیا خوبیاں بیان کی ہیں؟ وضاحت کیجیے۔
2. پہاڑ کے دامن میں وہ کون سی چیزیں ہیں جن میں شاعر کو خاص دلچسپی ہے؟
3. شاعر کی آرزو کے مطابق رات کے مسافروں کی اُمّید کیا ہوگی؟
4. آخری شعر میں شاعر کیا بات کہنا چاہتا ہے؟

عملی کام

- نظم 'ایک آرزو' بلند آواز سے پڑھیے۔
- اقبال کے مجموعے 'بانگ درا' میں کئی نظمیں بچّوں کے لیے ہیں۔ آپ ان نظموں کو تلاش کر کے پڑھیے۔
- درج ذیل اشعار کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی مؤذّن
میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا ہو

کانوں پہ ہو نا میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

- نظم سے ایسے دو اشعار لکھیے جن میں تشبیہہ کا استعمال ہوا ہے۔
- درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

جہاں نما، سحر نما، ہم نوا، دل فریب، جلوت، خلوت

© NCERT not to be republished